جلد ۸۰ | مارچ، اپریل ۱۹۹۶ء | شمارہ - ۳، ۴

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات

(۶)

۲۹۔ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی ختم نبوت کے لئے غیرت:۔ اس مضمون پر فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۹۱ پر حضرت مرزا صاحب کے فتوے کے چیدہ چیدہ فقرے سنئے:۔ "یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرتؐ کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔۔۔ یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختم نبوت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشا قرار دیا جائے کہ منہ سے ہی خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو۔ اپنی ایک الگ شریعت بنا لو۔۔۔ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لاکر آپ کے طرز عمل اور نقش قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے تو پھر میرے آنے کی ضرورت ہی کیا ہوتی۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس جماعت کو اس لئے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں۔ ایک شخص جو کسی کا عاشق کہلاتا ہے اگر اس جیسے ہزاروں ہوں تو اس کے عشق و محبت کی خصوصیت کیا ہے۔ تو پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں اگر فنا ہیں جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کیا بات ہے کہ ہزاروں قبروں اور مزاروں کی پرستش کرتے ہیں۔"

۳۰۔ شفاعت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی:۔ حضرت مرزا صاحب نے بتایا کہ شفاعت کے معنی لغت میں روحانی جوڑ کے ہیں۔ اس لئے شفاعت کے معنی یہ ہوتے کہ کسی پاک انسان کے ساتھ روحانی جوڑ کی وجہ سے انسان کو فائدہ اور فیض پہنچا۔ یہ فائدہ اس دنیا میں بھی پہنچتا ہے اور آخرت میں بھی۔ (۱) پہلے دنیا میں فائدہ کو لیجئے۔ یہ فائدہ ارتکاب اعمال کے وقت تزکیہ کی شکل میں پہنچتا ہے۔ اس کی مثالیں یوں سمجھئے کہ پانی کے بڑے نل کے ساتھ کوئی اپنا نلکہ جوڑ دے تو اس میں پانی آ جاتا ہے۔ یا بجلی کی بڑی تاروں کے ساتھ اپنی چھوٹی تار جوڑے تو اس میں بجلی آ جاتی ہے۔ نبی کریمؐ کا وجود جناب الٰہی کے فیضان وحدت کا سرچشمہ ہے جو ان سے جوڑ لگاتا ہے وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ جوڑ لگانے کا طریقہ قرآن کریم نے یہ بتایا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ آل عمران ۳ آیت ۳۱۔ (ترجمہ) کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ یعنی جو شخص نبی کریمؐ کی پیروی کرتا ہے وہ محبت و قرب الٰہی کی راہوں پر چل پڑتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیوں کہ اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ یہ نبی کریمؐ کی اس دنیا میں شفاعت ہے جس کا اثر صحابہ کرامؓ کے پاک گروہ کی صورت میں ظاہر ہوا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ (۲) اب آخرت کے فائدہ کو لیجئے۔ وہاں جسمانی تعلقات تو سب ختم ہو جائیں گے۔ صرف روحانی تعلقات رہ جائیں گے جو بعض اوقات مغفرت ذنوب کا باعث ہو جائیں گے۔ اس کی کیفیت یوں سمجھئے کہ اس دنیا میں اگر کسی کو تکلیف پہنچے تو اس کے ماں باپ بھی اسے محسوس کرتے ہیں کیونکہ ان کا ایک فطرتی تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح جس شخص نے کسی رسول کے ساتھ روحانی جوڑ لگایا آخرت میں اس کے اچھے اعمال کی کمی کے باعث جو اسے تکلیف پہنچے گی اسے وہ رسول بھی محسوس کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ

کی طرف سے اسے معافی کی درخواست کرنے کا موقع دیا جائے گا تو وہ ایسے شخص کی معافی کی درخواست کرے گا۔ اسی کا نام شفاعت ہے۔ یہ روحانی جوڑ کو چاہتی ہے جو رسول کی اتباع سے پیدا ہوتا ہے۔ جس شخص میں اتباع رسول نہیں اس کا اس رسول سے جوڑ بھی نہیں۔ اس کی شفاعت کیسی؟ جس شخص نے جتنی زیادہ اتباع رسول کی ہے اتنا ہی زیادہ وہ شفاعت کے نیچے ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دعا اور شفاعت میں بڑا فرق ہے، دعا عام ہے۔ ہر شخص خدا کے حضور اپنی معروضات پیش کر سکتا ہے۔ شفاعت بھی اگرچہ دعا ہی ہے لیکن اس میں ایک فرق ہے کہ شفاعت کرنے والا اپنے وجود کو جناب الٰہی میں پیش کر کے سفارش کرتا ہے کہ میری خاطر اس گنہگار کی خطا معاف کر دیں۔ لیکن "میری خاطر" کہنا اللہ کی صفت **غنی عن العالمین** کے خلاف ہے۔ کسی بندہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہہ سکے کہ اگر میری رضامندی مطلوب ہے تو فلاں شخص کو معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ صمد ہے۔ اسے کسی کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر بندہ کو اس کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے آخرت کی شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ اجازت کے ساتھ جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت اور حکمت اور عدل اور رحم کو مد نظر رکھتے ہوئے جب کسی بندہ کو معاف کرنا چاہے گا تو جس رسول سے اس کا روحانی جوڑ ہوگا اسے اجازت دی جائے گی کہ تم اس کی سفارش کرو تو ہم تمہاری خاطر اسے معاف کر دیں گے۔ اسی لئے قرآن شریف میں سورہ ۲۰ طٰہٰ آیت ۱۰۹ میں آتا ہے **يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا** ۝

(ترجمہ) اس دن سفارش کسی کو نفع نہ دے گی سوائے اس کے جس کے لئے رحمٰن اجازت دے اور اس کے لئے بات کو پسند کرے۔ اس شفاعت بالاذن کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں گنہگار کو معافی ملتی ہے وہیں اس کے رسول متبوع کی عزت افزائی بھی مد نظر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ جہاں تک استعداد انسانی سے ممکن ہے خدا تعالیٰ سے نزدیک ہوئے اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور اسی طرح بشریت کے پاک لوازم یعنی انسانوں کی ہمدردی اور محبت سے پورا حصہ لیا اس لئے وہ دونوں طرف کے مساوی قرب کی وجہ سے ایسا ہو گئے جیسے دو قوسوں میں ایک وتر ہوتا ہے اور یہی مقام شفاعت کبریٰ کا ہے اور یہی وہ نقطہ انتہائی کمالات انسانی کا ہے جس پر تمام نوع انسانی میں سے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے۔ اس لئے آپؐ تمام دنیا کے لئے شفیع کامل ٹھہرے۔

۳۱۔ جنت اور جہنم:۔ حضرت مرزا صاحب نے اس مسئلہ پر ۱۸۹۶ میں جلسہ اعظم تحقیق مذاہب میں اپنے لیکچر میں پوری وضاحت سے روشنی ڈالی جسے اہل علم نے بہت پسند کیا۔ یہ لیکچر "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔ مختصراً یہ کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ جنت اور جہنم نہ تو مادی جگہوں کے نام ہیں اور نہ محض باطنی کیفیت۔ بلکہ وہ ایک زندگی ہے جو انسان اسی دنیا میں اپنے ایمان اور اعمال سے بناتا ہے اور اسی مناسبت سے حشر اجساد کے وقت انسان کو ایک نیا جسم ملے گا جس کی کیفیت کو حضرت مرزا صاحب حوالہ بخدا کرتے تھے۔ جہنم کے متعلق قرآن شریف کی سورہ ھمزہ ۱۰۴ کی آیات ۵ تا ۹ خوب روشنی ڈالتی ہیں۔ سنئے:۔ **وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ** ۝ (ترجمہ) اور تجھے کیا خبر ہے حطمہ کیا ہے؟ اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھتی ہے وہ ان پر بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔

برے اعمال کے نتیجے میں جو آگ اس دنیا میں انسان کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے اور قلب میں محسوس ہوتی ہے ظاہر میں نظر نہیں

آتی۔ اگلی دنیا میں ظاہر طور پر نظر آئے گی اسی طرح جنت کے متعلق سورۃ ۲ بقرہ کی آیت ۲۵ سنئے:- وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُوْتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (ترجمہ) اور انہیں خوش خبری دے دو جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا۔ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور انہیں ملتا جلتا (رزق) دیا جائے گا۔ اس آیت سے واضح ہو گیا کہ مومن کو اس دنیا میں ہی جنت ملتی ہے اسی لئے اگلی دنیا میں جب انہیں رزق دیا جائے گا تو وہ اسے پہچان لیں گے کہ یہ ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا لیکن وہ بالکل وہی نہیں ہو گا ملتا جلتا ہو گا۔ اگلی دنیا کے انعامات تو دراصل بہت ارفع و اعلیٰ ہیں موجودہ حواس کے ساتھ تو ہم ان کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت مرزا صاحب نے اس عقیدہ کی بھی اصلاح فرمائی جو معتزلہ اور خوارج کے مخفی اثر سے عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ جہنم کی سزا دائمی ہے۔ قرآن شریف میں سورہ نبا ۷۸ کی آیت ۲۶ میں جہنم کی سزا کے لئے الفاظ آتے ہیں جَزَآءً وِّفَاقًا یعنی بدلہ موافق اعمال ہے۔ لہذا جب اعمال محدود ہیں تو سزا غیر محدود نہیں ہو سکتی جیسا کہ سورہ ۶ انعام آیۃ ۱۶۰ میں آتا ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (ترجمہ) اور جو کوئی بدی کرتا ہے تو اسی کی مثل ہی اس کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر محدود بد اعمالیوں کی سزا غیر محدود ہو تو وہ ظلم ہو جائے گا جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرما دی ہے۔ اس کے علاوہ دوزخ میں رہنے کی مدت سورہ ۷۸ نبا کی آیت ۲۳ میں اَحْقَابًا بتائی گئی ہے جو حقب کی جمع ہے جس سے مراد ایک سے اسی سال تک ہے گویا دوزخ میں رہائش کا زمانہ محدود ہے۔ حدیث شفاعت بھی اس کی مؤید ہے جہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی دوزخ سے بھرے گا اور اس سے ان لوگوں کو باہر نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہ کی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل حصہ سوم ص ۹۴)۔

اس معاملے میں مسلمان علماء کو لفظ ابد سے غلطی لگی جو جہنمیوں کی مدت دوزخ کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ انہوں نے اس کے معنی "ہمیشہ" کئے۔ حالانکہ عربی زبان میں اس کے معنی دہر طویل یعنی لمبا زمانہ بھی آتے ہیں۔ اسی لئے اس کی جمع آباد آتی ہے۔ اس کے برعکس جنت کی نعمت غیر محدود ہے۔ محدود اچھے اعمال کا بدلہ تو انصاف کی رو سے محدود ہی ہونا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جناب سے بخشش کے طور پر اپنے فضل سے اسے دائمی کر دیا ہے جیسا کہ سورہ ۱۱ ھود آیت نمبر ۱۰۸ میں الفاظ آتے ہیں عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ یعنی ایسی بخشش جو کبھی منقطع نہ ہو گی۔

۳۲۔ بعض شرعی مسائل کے متعلق آپ کے فیصلے

فیصلے:- بعض متنازعہ شرعی مسائل میں جو بطور حکم کے اپنا مذہب پیش کیا ہے وہ عین مطابق قرآن و سنت ہے۔ بطور نمونہ چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:-

(۱) کثیر الازدواجی:- حضرت مرزا صاحب بلا ضرورت اور بغیر عدل کے نکاح ثانی جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) طلاق:- آپ تین طلاقوں کو یکدم دینا ناجائز سمجھتے تھے۔ تین طہر یا تین ماہ ایک طلاق کی مدت تھی نہ کہ تین طلاقوں کی۔ خلع کو عورت کا حق سمجھتے تھے۔

(۳) میراث کا مسئلہ:- ترکہ میں آپ قرآن کریم کے ماتحت لڑکی کو حصہ دینا ضروری سمجھتے تھے خواہ متوفی زمیندار ہو یا غیر زمیندار۔

(۴) سود کو آپ حرام سمجھتے تھے خواہ ساہوکار کا ہو یا بینک کا۔

قرضہ کا ہو یا تجارت کا۔ البتہ جب آپ نے یہ سنا کہ بینک سے سود نہ لینے پر بینک والے اس سود کو پادریوں کے فنڈ میں بھیج دیتے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ بینک سے سود لے کر اشاعت اسلام میں خرچ کیا جائے۔ راقم الحروف مزید یہ لکھنا مناسب سمجھتا ہے کہ ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے کہ "شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لئے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے۔ یہ تعریف جہاں صادق آئے گی وہ سود کہلائے گا"۔ آج کل کاروبار کے کئی نئے نئے طریقے نکلے ہیں گورنمنٹ کی طرف سے بھی اور دیگر اداروں کی طرف سے بھی آئے دن نئی نئی سکیموں کا اعلان ہوتا ہے حضرت مرزا صاحب نے جو سود کی شرعی تعریف کی ہے اسے سامنے رکھ کر اجتہاد کرنا چاہئے۔

(۵) غلامی:- آپ کے نزدیک ابتدائے زمانہ نبویؐ میں غلاموں اور لونڈیوں کا وجود جاہلیت کے زمانہ سے چلا آتا تھا اور وقتی تھا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں تھا۔ اسلام نے ان کی آزادی کے لئے بہت سے اقدام کئے تاکہ تدریجاً یہ لعنت ختم ہو جائے۔ اسلام نے ہر انسان کو ہر ایک نوع کی غلامی سے آزادی اور حریت کا عالمگیر پیغام دیا۔

(۶) طرز حکومت:- آپ جمہوریت اور مشاورت کے قائل تھے۔ شخصی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ اسی لئے آپ نے اپنی وصیت میں اپنا جانشین کسی شخص واحد کو نہیں بنایا بلکہ انجمن کو بنایا۔

(۷) پردہ:- حضرت مرزا صاحب عورتوں کا چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا کھلا رہنا اور کام کاج اور دوسری ضرورتوں کے لئے باہر نکلنا جائز سمجھتے تھے۔ البتہ اپنی زینت اور سنگار وغیرہ کو غیر محرم مردوں سے چھپانا ضروری سمجھتے تھے اور ان سے بلا ضرورت ملنے جلنے کو ناجائز خیال کرتے تھے۔

(۸) مرتد کا قتل:- بد قسمتی سے مسلمان مولویوں نے مرتد کا قتل اسلامی اصول بنا رکھا ہے۔ حضرت مرزا صاحب قرآن اور حدیث کی رو سے مرتد کو اس کے ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔ قرآن شریف میں سورہ ۲ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں صاف لفظوں میں مرتد کی اپنی موت سے مرنے کا ذکر ہے۔ کہیں قتل کا ذکر نہیں۔ حدیث نبوی میں ایک دفعہ بعض مرتدین کو جو قتل کیا گیا تو اس کی وجہ ارتداد نہیں تھی بلکہ انہیں بطور قصاص قتل کیا گیا کیونکہ وہ ناحق مسلمانوں کو قتل کر کے اور اونٹ لے کر بھاگے تھے قرآن شریف صاف لفظوں میں لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (۲ : ۲۵۶) فرما کر دین میں کسی قسم کے جبر اور زبردستی کو قطعاً منع فرماتا ہے۔

الحمد للہ کہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے مجدد اعظم حصہ سوم کے صفحات ۸۸ تا ۲۰۱ میں "حکم و عدل کے فرائض کو پورا کیا" کے عنوان کے ماتحت جو کچھ تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہاں ختم ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ

حضرت سیدہ آمنہ

(۴)

حضورؐ سیدہ آمنہ کی معیت میں

سیدہ آمنہ کا یہ آخری سفر تھا جس میں حضورؐ اقدس بھی اپنی مادر مہربان کی معیت میں مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اگرچہ آپؐ کی عمر مبارک اس وقت صرف سوا چھ سال کی تھی مگر حضورؐ کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مدینہ کے دوران قیام کی یادیں آپؐ کے حافظے میں محفوظ تھیں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد جب آپؐ ایک روز قبیلہ بنو عدی ابن النجار کے اس قلعہ نما مکان میں تشریف لے گئے جس میں آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اترے تھے تو اسے فوراً پہچان لیا اور اس زمانے کی یادیں تازہ کرتے ہوتے فرمایا کہ:-

"میں اس مکان میں انصار کی ایک بچی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا جس کا نام "انیسہ" تھا۔ اپنے ننہال کے لڑکوں کے ساتھ ہم ایک چڑیا اڑایا کرتے تھے جو اس مکان کی منڈیر پر آ کر بار بار بیٹھتی تھی۔ اسی گڑھی میں میری والدہ مجھے لے کر اتری تھیں۔ اسی میں میرے والد (عبداللہؓ بن عبدالمطلب) کی قبر ہے اور اسی محلے کے ایک تالاب میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔" (۳۰)

سیدہ آمنہ کی سسرال

سیدہ آمنہ حضورؐ اقدس کو لے کر جس محلے میں اتری تھیں اور جس کی یادیں آپؐ کے حافظے میں آخر تک محفوظ رہیں وہ بنو نجار کا محلہ تھا۔ شاید لفظ "نجار" سے کسی کو غلط فہمی ہو کہ یہ لوگ ترکھان (بڑھئی) تھے؟ ایسا نہیں۔ دراصل اس قبیلے کے ایک سربراہ تیم بن ثعلبہ نے ایک غیر مختون شخص کا ختنہ بسولے (تیشے) سے کر دیا تھا جسے بڑھئی (ترکھان) اوزار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اس لئے اس قبیلے کا نام بنو نجار پڑ گیا (۳۱) ورنہ یہ عرب کا بہت ہی معزز، جنگجو اور عالی نسب قبیلہ تھا۔ بنو نجار مدینہ کے مشہور اور شجاع قبیلے "خزرج" کی ایک شاخ تھی۔ اپنی کثرت تعداد کے اعتبار سے یہ سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ دراصل جنوبی عرب کے رہنے والے تھے جب وہاں کا مشہور بند "سد مارب" ٹوٹ گیا اور ہر طرف تباہی پھیل گئی تو یہ لوگ نقل مکانی کر کے یثرب (مدینہ) میں آباد ہو گئے۔ اس زمانے میں مدینہ پر پوری طرح یہودیوں کا تسلط تھا اور اس ریاست میں وہی صاحب اقتدار تھے۔ بنو خزرج کا جن میں بنو نجار بھی شامل تھے۔ یہودیوں سے براہ راست تصادم ہوا اور جنگ و پیکار کا طویل سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار یہ لوگ مدینہ کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ قبیلہ بنو نجار کے لوگ مدینہ کے وسط میں آباد ہوتے۔ (۳۲)

اس قبیلے کی آبادی بہت تیزی سے بڑھی اور پھر یہ دور تک پھیل گیا۔ ظہور اسلام کے بعد جن قبائل کو حضورؐ اقدس کی تائید و حمایت اور نصرت اسلام کرنے کا شرف حاصل ہوا ان میں قبیلہ بنو نجار پیش پیش تھا۔ چنانچہ حضورؐ کی ہجرت سے قبل ہی ان میں سے بعض ممتاز افراد نے آپؐ کی بیعت کر لی تھی۔ یہ وہی بیعت ہے جو بیعت عقبہ ثانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت کے موقع پر بنو

نجار کی ایک خاتون ام عمارہؓ کا نام بھی آتا ہے۔ یہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ہمراہ چھپ کر مدینہ (عقبہ) گئی تھیں اور حضورؐ کی بیعت کی تھی۔ حضورؐ اقدس نے مدینہ کے ان بیعت کرنے والوں میں سے جن بارہ افراد کو اپنا نقیب مقرر فرمایا تھا ان میں بنو نجار کے ایک ممتاز رکن ابو امامہؓ اور دوسرے ممتاز رکن اسعدؓ بن زرارہ بھی شامل تھے۔ اسی طرح اس قبیلے کے بہت سے لوگوں نے حضورؐ کی معیت میں غزوہ بدر، غزوہ احد اور دوسرے غزوات میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش کیا۔ غرض قبیلہ بنو نجار میں بڑے بڑے نامور شاعر، غازی و شہید، علماء و فقہا اور صاحب عز و شرف لوگ پیدا ہوئے۔ غزوہ بدر میں جس نوجوان نے ابو جہل کو قتل کیا تھا وہ بھی قبیلہ بنو نجار ہی کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا نام نامی واسم گرامی معوذؓ بن عفرا تھا۔ (۳۳)

پھر بنو نجار ہی کا قبیلہ تھا جس کی ایک معزز اور اعلیٰ نسب خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے حضورؐ اقدس کے پردادا جناب ہاشمؒ کی شادی ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلبؒ اسی نجاری خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے قبیلہ بنو نجار سے حضورؐ اقدس کو ایک نسبت خاص تھی کہ وہ آپؐ کے جد مکرم حضرت عبدالمطلبؒ کا ننہال تھا۔ بنو نجار ہی کی گڑھی میں حضرت عبداللہؓ کی وفات ہوئی تھی، اسی میں آپ کی قبر تھی اور اسی گڑھی میں سیدہ آمنہ نے خورد سال حضورؐ کے ساتھ آخری قیام فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے قبیلہ بنو نجار کو تاریخ اسلام اور خاندان رسالت میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

سیدہ آمنہ کا حضورؐ سے آخری اظہار شفقت

جب سیدہ آمنہ کی بیماری نے شدت اختیار کی اور آپ نے محسوس فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے جب آپ اپنے پیارے بیٹےؐ کو چھوڑ کر جو آپ کے مرحوم شوہر کی یادگار ہے دنیا سے رخصت ہو جائیں گی تو آپ نے حضور اقدسؐ کے چہرے پر شفقت بھری نظر ڈالی جو اس وقت آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدہ آمنہ کا دل مامتا کے جذبات سے بھر گیا اور آپ کی زبان پر دعائیہ اشعار جاری ہو گئے۔

بارک الله فیک من غلام
یا ابن الذی من حومة الحمام
نجابعون الملک المنعام
فودی غداة الضرب السهام
بمائة من ابل سوام
ان صح ما البصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام
من عند ذی الجلال و الاکرام
تبعث فی الحل و فی الحرام
تبعث باالتحقیق والاسلام
دین ابیک البر ابراهام
فالله نیهاک عن الاصنام
ان لا توالیها مع الاقوام (۳۴)

(ترجمہ) اے میرے بیٹے اللہ تجھے برکت سے نوازے۔ اے اس شخص کے فرزند جو قوم کا سردار اور شریف تھا۔

جس نے (ایک ابتلا سے) محض خدائے بزرگ و برتر کی نصرت اور فضل سے نجات پائی جب کہ اس کے لئے قرعہ ڈالا گیا اور اس کی دیت ادا کی گئی۔

یہ دیت ایک صبح کو ان سو اونٹوں کی صورت میں دی گئی جو آزاد چر رہے تھے (یعنی بہت تندرست و توانا اور اعلیٰ درجے کے تھے) اگر وہ صحیح ہے جو میں نے نیند میں اپنی آنکھوں سے دیکھا (یعنی کہنے کو تو وہ نیند تھی مگر میری آنکھ بیدار تھی)، تو:-

تجھے لوگوں کی طرف مبعوث کیا جائے گا۔ تو مبعوث کیا جائے گا

اس اللہ کی طرف سے جو صاحب جلال اور صاحب اکرام ہے۔

تو مبعوث ہو گا حلال اور حرام میں امتیاز کرنے کی غرض سے اور اس لئے مبعوث ہو گا تاکہ حق و صداقت کو ظاہر کرے اور سلامتی کا پیغام دے۔

تو اس دین پر مبعوث ہو گا جو تیرے پاکباز باپ ابراہیم کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ تجھے بت پرستی سے محفوظ رکھے گا اور تو لوگوں کو بت پرستی سے باز رکھے گا۔ تو بت پرستوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھے گا۔

اس کے بعد سیدہ آمنہ نے فرمایا کہ "ہر جاندار کو ایک دن موت کی منزل سے ہمکنار ہونا ہے اور ہر شے جو نئی ہے آخر اسے پرانا ہونا ہے اور ہر وہ شخص جو بڑی عمر پاتا ہے آخر ایک دن فنا ہو جاتا ہے (اگرچہ) میں بھی فوت ہونے والی ہوں مگر میرا ذکر زندہ رہے گا کیونکہ میں سر تا سر خیر کو چھوڑ کر جا رہی ہوں اور میں نے ایک پاک اور طاہرؐ کو جنا ہے۔"

اس کے بعد سیدہ آمنہ نے آنکھیں بند کیں اور ابدی نیند سو گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضورؐ اقدس سیدہ آمنہ کے مزار پر

۶ ھ میں حضورؐ اقدس طواف کعبہ کی غرض سے اپنے چودہ سو فدائیوں کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے تو راستے میں "ابوا" کے مقام پر پہنچ کر آپؐ اپنی سواری سے اتر پڑے۔ پھر آپؐ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے جس پر آپؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کی قبر ہے۔ آپؐ کو پہاڑی کی طرف روانہ ہوتے دیکھ کر ازراہ عقیدت یا حفاظت کے خیال سے صحابہ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ سیدہ آمنہ کی قبر پر پہنچ کر آپؐ اس کے پاس بیٹھ گئے، اسے صاف کیا، درست کیا اور سنوارا پھر آپؐ کا دل بھر آیا، اور آپؐ رونے لگے۔ (۳۵)

ایک اور روایت کے مطابق یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپؐ باتیں کر رہے ہوں۔ حضورؐ کو روتا دیکھ کر مسلمان بھی رونے لگے مورخ ابن سعد کہتے ہیں کہ جس روز حضورؐ اپنی والدہ کی قبر پر روئے تھے صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ رو پڑے تھے اور اس دن رونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ (سوائے حضور اقدسؐ کے یوم وصال کے۔ مولف) اس سے زیادہ رونے والوں کی تعداد ایک جگہ کبھی نظر نہیں آئی۔

(۳۰) طبقات الکبیر جلد اول۔ ص ۱۱۶۔ مولفہ ابن سعد۔

(۳۱) تاریخ الانساب، کتاب المغارف مولفہ ابن قیتبہ۔ ص ۹۲ ترجمہ سلام اللہ صدیقی بحوالہ سیرت احمد مجتبیٰ۔ ص ۵۷ مولفہ شاہ مصباح الدین شکیل (کراچی)۔

(۳۲) جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۳۷۱ تالیف علامہ ابن حزمؒ۔

(۳۳) "السیرۃ النبویہ"۔ ص ۱۳۵ (ابن ہشام)۔

(۳۴) "مواھب الدینہ" ص ۳۲۔ مولفہ القسطلانیؒ۔

(۳۵) طبقات الکبیر۔ ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ مولفہ محمد ابن سعد۔

("ام رسول صلعم" مصنفہ پیام شاہجہانپوری، ادارہ تاریخ و تحقیق۔ ۲۳ این، عوامی فلیٹس۔ ریواز گارڈن۔ لاہور۔ قیمت -/ ۸۰ روپے۔ ص ص ۷۸ تا ۹۳)

"کمپیوٹر نیٹ ورک" پر اسلامی مباحث

از ڈاکٹر زاہد عزیز۔ لندن

آجکل انٹرنیشنل کمپیوٹر نیٹ ورک "انٹرنیٹ" (Internet) ایک موثر ذریعہ ابلاغ بن گیا ہے۔ مختصراً کرہ ارض کے مختلف ممالک کے لاکھوں کمپیوٹروں کو باہم ملا کر ایک "نیٹ" (Net) قائم کر دیا گیا ہے جس کے ذریعہ ایک کمپیوٹر استعمال کرنے والا کسی بھی دوسرے کمپیوٹر والے کے ساتھ رابطہ قائم کر سکتا ہے (جیسا کہ انسان خط لکھتا ہے۔ مگر گویا اس کو پوسٹ کرنے کی بجائے الیکٹرونک ذریعہ سے ارسال کیا جائے !) اس کے علاوہ یہ "نیٹ" اطلاعات اور خیالات مہیا کرتا ہے اور ہر شخص اپنے شوق یا ضرورت کے تحت اس کے ذریعہ معلومات حاصل کر سکتا ہے (اس کی مثال ایسی ہے کہ اخبار میں خط چھپوایا جائے یا اشتہار دیا جائے !) اس قسم کی ایک سہولت جسے عموماً "نیوز گروپ" کا نام دیا جاتا ہے کے ذریعہ بے شمار موضوعات پر "مباحثہ گروپ" قائم ہو سکے ہیں۔ اپنی دلچسپی کے موضوع کے "مباحثہ گروپ" کا آپ انتخاب کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً (عموماً دن میں ایک بار) آپ نظر ڈال کر دیکھتے ہیں کہ اس موضوع پر کیا مضامین آتے ہیں اور تمام آمدہ مضامین کی فہرست دیکھتے ہیں اس فہرست میں مضمون کا عنوان اور بھیجنے والے کا نام (بلکہ زیادہ صحیح یوں ہے کہ بھیجنے والے کا کمپیوٹر کا پتہ !) دیا ہوا ہوتا ہے۔ تب آپ اپنی دلچسپی کے مضامین منتخب کر کے ان کے متن کو پڑھتے ہیں۔ اکثر مضامین صرف چند لائنوں سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے !

آپ خود بھی کسی مضمون پر تبصرہ کر سکتے ہیں یا اس کا جواب دے سکتے ہیں یا آپ خود بھی کوئی نیا مضمون بھیج سکتے ہیں۔ جب آپ مضمون تیار کر لیتے ہیں تو اسے آپ متعلقہ "نیوز گروپ" کو کمپیوٹر کے ذریعہ ارسال کر دیتے ہیں۔ چند گھنٹے کے اندر اندر دنیا بھر کے بے شمار کمپیوٹر کے قارئین آپ کا مضمون دیکھ لیتے ہیں اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ اپنا اپنا تبصرہ آپ کے مضمون پر ارسال کر دیتے ہیں اور اس طرح ایک بحث کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

ہماری دلچسپی کا ایک نیوز گروپ Soc. Religion Islam نامی ہے یہ نام کمپیوٹر کی زبان کے سٹائل پر ہے یعنی "Soc" ایک بڑا شعبہ ہے جو معاشرتی معاملات کا مخفف ہے اور جس کے تحت (Religion) (مذہب) ایک ذیلی شعبہ ہے اور جس کے تحت "Islam" (اسلام) ایک مزید ذیلی شعبہ ہے۔ میں اکثر اس ذیلی شعبہ کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور کبھی کبھار یا تو کوئی نیا مضمون (مثلاً "لائٹ" کا کوئی مضمون یا کسی مضمون پر تبصرہ "پوسٹ" کرتا ہوں۔

اس "نیوز گروپ" میں مضامین کا احاطہ بہت وسیع ہے جو کہ ہر قسم کے اسلامی امور پر حاوی ہے مثلاً اسلام اور مغرب یا اسلام کے مختلف فرقے بشمولیت فرقہ احمدیہ وغیرہ ! اس کے علاوہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اسلام کے متعلق سوالات ہوتے ہیں اور جن کے متعلق اسلام اور تراجم قرآن کی مختلف کتابوں کی سفارش ہوتی ہے !

حال ہی میں مختلف تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے متعلق ایک سوال پوچھا گیا۔ کسی نے یو۔ ایس۔ اے سے اس کا جواب دیا اس کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے:-

"مسلمانوں میں سب سے ہر دلعزیز اور مقبول عام قرآن کے تراجم یہ ہیں:-

۱۔ The Holy Quran by Abdullah Yusaf Ali یعنی عبداللہ یوسف علی صاحب کا کیا ہوا ترجمہ

قرآن۔ اس ترجمہ میں مولف کی تفسیر بھی شامل ہے۔

۲۔ The Message of the Quran by Muhammad Asad (قرآن کا پیغام) مولفہ محمد اسد۔ مجھے یہ سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس میں بہت عمدہ تفسیر بھی شامل ہے۔

۳۔ The Bounteous Koran by M. M. Khatab (کریمانہ قرآن از ایم ایم خطاب) یہ ترجمہ الازھر یونیورسٹی مصر کا منظور شدہ اور مجاز ترجمہ ہے۔

۴۔ The Holy Quran by Pickthall (قرآن پاک از پکتھال) یہ صرف ترجمہ ہے اور تفسیر شامل نہیں ہے!

۵۔ The Meaning of the Quran by Maudoodi (تفہیم القرآن از مولانا مودودی) اس میں تفسیر بھی ہے۔

۶۔ The Quran by A.J. Arberry (قرآن از اے جے آربری) اس میں تفسیر نہیں۔

۷۔ A Quran by Ahmad Ali (القرآن از احمد علی) اس میں تفسیر نہیں ہے۔

۸۔ The Holy Quran by Muhammad Ali (قرآن مجید از محمد علی) اس میں تفسیر شامل ہے۔ یہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کولمبس، امریکہ نے شائع کیا ہے۔ ماسوائے چند احمدی عقیدوں کی شمولیت کے یہ ایک اچھا ترجمہ ہے۔ ایک احمدیہ تصنیف ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اسے رد کر دیتے ہیں!"

میں نے اس مضمون کا جواب دیا اور حضرت مولانا کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے حوالہ سے لکھا۔

"جہاں تک مولانا محمد علی کے بارہ میں تبصرہ کا تعلق ہے آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ مبینہ "چند احمدی عقیدوں کی شمولیت" کی کچھ مثالیں بھی پیش کرتے تاکہ ہمیں پتہ چلتا کہ آپ کس چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں!

حالانکہ اسد صاحب کا ترجمہ جو کہ آپ کی نظر میں بہترین ہے اس میں ان سب نکات پر جن پر مولانا محمد علی صاحب نے عام طور پر سمجھے گئے معنوں سے اختلاف کیا ہے بعینہ وہی نقطۂ نظر پیش کرتا ہے جو کہ حضرت مولانا نے پیش کیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا حضرت یسوع مسیح کو بجسد عنصری اپنی طرف اٹھانے کا سوال ہے۔ اس سوال پر عام تفہیم القرآن اور احمدیہ تفہیم القرآن کے درمیان ایک کلیدی اختلاف ہے اس بارہ میں اسد صاحب ہو بہو وہی نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جو کہ حضرت مولانا نے پیش کیا کہ حضرت مسیح کو بجسد عنصری آسمان کی طرف نہیں اٹھایا گیا بلکہ وہ اسی زمین پر فوت ہوتے!

اس کے علاوہ یاجوج ماجوج اور اس قسم کی کئی ایک اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

ایسا کیوں ہے کہ جب مولانا محمد علی صاحب کوئی بات کہتے ہیں تو اس پر فوراً "احمدی عقیدے" کا لیبل لگا دیا جاتا ہے حالانکہ اسے خود اکثر مسلمان رد کرتے ہیں مگر جب محمد اسد صاحب وہی بات کہتے ہیں (حتیٰ کہ وہی دلائل پیش کرتے ہیں جو کہ حضرت مولانا نے دیئے ہیں اگرچہ ان کو وہ مصری عالم محمد عبدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں) تو ان کی تفسیر سب تفسیروں سے بہتر قرار پاتی ہے!

ضمناً عرض کرتا چلوں کہ محمد اسد صاحب نے چالیس کی دہائی میں انڈیا / پاکستان کے خطہ میں قیام کیا تھا اور وہ لاہور میں حضرت مولانا محمد علی صاحب سے ملا کرتے تھے!

جہاں تک "احمدی عقائد" کا تعلق ہے اگر آپ آیت 40:33 کے تحت حضرت مولانا کے تفسیری نوٹ کا مطالعہ کریں۔ (یہ وہ آیت ہے جس میں خاتم النبیین کا ذکر ہے!) تو اس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ حضرت محمد صلعم آخری نبی تھے اور ان کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

ایک بات متذکرہ بالا انگریزی ترجموں کے متعلق یاد رکھنے کے

قابل ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن 1917 میں شائع ہوا یعنی ان سب تراجم سے کئی سال پہلے ! پکھتال اور یوسف علی دونوں اس ترجمہ سے واقف تھے اور وہ اس سے مستفید ہوئے۔ (حضرت مولانا کے ترجمہ کا موجودہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن 1951 میں شائع ہوا !)

میرے مضمون کے جواب میں ہمارے قابل دوست نے "نیوز گروپ" کو مندرجہ ذیل خط "پوسٹ" کیا:-

"مجھے ان کے (حضرت مولانا) ترجمہ سے کوئی پرخاش نہیں۔ تاہم میں مرزا غلام احمد صاحب کے مہدی ہونے کے تصور کو رد کرتا ہوں۔ جہاں تک میرا حافظہ ساتھ دیتا ہے مولانا محمد علی میرزا غلام احمد کو مہدی مانتے ہیں !

عین ممکن ہے کہ محمد علی صاحب اس بارہ میں حق پر ہوں۔ تاہم انہوں نے یا کسی اور نے مجھے کافی وجوہات اس بات کو ماننے کے لئے مہیا کی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود میں محمد علی صاحب کے ترجمہ قرآن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ بلکہ میں نے محمد علی صاحب، اسد صاحب اور یوسف علی صاحب تینوں کے تراجم کی ایک ایک کاپی مقامی لائبریریوں کو مفت ہدیہ کی ہیں ! "

اس کے جواب میں میں نے "نیوز گروپ" کو مندرجہ ذیل جواب ارسال کیا:-

"میں اس انصاف پسندانہ رویہ کی قدر کرتا ہوں جو آپ نے اپنے ریمارکس میں ظاہر کیا ہے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کے ترجمہ اور دوسرے تراجم لائبریریوں کو ہدیہ کرنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں ! جہاں تک حضرت مولانا کے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے بارہ میں عقیدہ کا تعلق ہے اور جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے یاد رہے کہ انہوں نے اس بات کا ذکر صرف دیباچہ میں اس جگہ کیا ہے جہاں وہ مختلف مستند ماخذوں کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس عقیدہ کو ماننے کے لئے کافی مواد مہیا نہیں کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن کے حواشی میں اس عقیدہ پر بحث نہیں کی۔ لیکن اس بارہ میں انہوں نے دیگر کتابیں بالخصوص انگریزی میں تصنیف کی ہیں (مثلاً "بانی سلسلہ احمدیہ) جہاں پر اس مسئلہ کو زیر بحث لانا زیادہ موزوں تھا۔

اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ اور تفسیر میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ صرف یہ ہے:-

"اور آخیر میں اس زمانہ کے سب سے عظیم مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا میں مرہون منت ہوں اور جو کچھ بھی اس ترجمہ میں بہترین ہے وہ اسی کے طفیل ہے۔ میں نے اس عظیم مصلح اور اس صدی کے مجدد اور بانی سلسلہ احمدیہ کے جاری کئے ہوئے علم کے چشمہ سے سیر ہو کر پیا ہے ! "

گو کہ اس ترجمہ میں انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے مہدی یا مسیح ہونے کے بارہ میں دلائل مہیا نہیں کئے ہیں مگر انہوں نے اپنی متعدد تصانیف میں استدلال کیا ہے کہ "یہی امر کہ میں نے اسلام پر اس قدر مستند اور مقبول عام تصانیف لکھی ہیں۔ حضرت میرزا صاحب کے سچا ہونے کی شہادت ہے کیونکہ یہ حضرت مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے مجھے اس قسم کا لٹریچر تیار کرنے کی راہ پر چلایا ایسا لٹریچر جس نے کہ تمام دنیا کے لاکھوں انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا ہے اور اس طرح اشاعت اسلام کے مقاصد کو فائدہ پہنچا ! حضرت مولانا محمد علی صاحب کے مطابق حضرت میرزا صاحب کے دعاوی کو بنیادی طور پر حفاظت و اشاعت اسلام کے اس کام سے پرکھنا چاہئے جو انہوں نے خود کیا یا جو کام انہوں نے دوسروں سے اس بارہ میں کروایا"

حیات بعد الممات کے بارہ میں علامہ اقبال کے خیالات:-

حال ہی میں آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی کے ایک پاکستانی طالب

علم نے "انٹرنیٹ نیوز گروپ" کے ذریعہ جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں "تمدن پاکستان" کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل مضمون ارسال کیا:-

"مندرجہ ذیل عبارت علامہ اقبال کی مشہور کتاب "Reconstruction of Religious Thought in Islam" (اسلامی مذہبی فکر کی تشکیل نو!) سے لی گئی ہے! یہ خوبصورت اور بہت ہی فلسفیانہ پیرا "جنت جہنم اور حیات بعدالممات" پر اسلامی تناظر کے ادراک کا اچھا موقعہ فراہم کرتا ہے۔

"قرآنی تعلیمات کے مطابق انسانی انا یا خودی کا ظہور ثانی اسے ایک گہری بصیرت عطا کرتا ہے (۵۰ : ۲۲) جس کی مدد سے وہ اپنی خود ساختہ "گلے پڑی قسمت" کو صاف طور پر دیکھ سکتا ہے۔ جنت اور جہنم دو حالتیں ہے نہ کہ جگہیں!

قرآن میں ان کو جس طرح بیان کا گیا ہے وہ دراصل ایک اندرونی حقیقت یعنی "کردار" کی بصری تعبیر ہے۔ قرآنی الفاظ میں "جہنم" اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر بھڑکتی ہے"۔ یعنی انسان کا بطور انسان اپنی ناکامی کا دردناک ادراک!

"جنت" اسی خوشی کا نام ہے جو کہ انتشار کی قوتوں پر فتح حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے! اسلام میں جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلتے رہنے کا کوئی تصور نہیں۔

جہنم کے بارہ میں لفظ "ابد" کے بعض آیات میں استعمال کی تشریح قرآن نے خود بطور "وقت کے ایک دورانیہ" کے کی ہے (۷۸ : ۲۳)

انسانی شخصیت کی نشوونما میں "وقت" مکمل طور پر غیر متعلقہ نہیں ہو سکتا: کردار چونکہ مستقل نوعیت کا ہوتا ہے اس لئے اس کی تشکیل نو میں ضرور ہے کہ وقت لگے!

اس لئے جہنم قرآن کے تصور میں ایک منتقم خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ابدی عذاب کا گڑھا نہیں، بلکہ یہ ایک اصلاحی عمل ہے جو کہ ایک بے حس خودی یا انا کو پھر سے خدا کی رحمت کی زندگی بخش نسیم کا ذوق و احساس دلاتا ہے! اور نہ ہی جنت (عیش و عشرت کی) چھٹیاں منانے کی جگہ کا نام ہے! زندگی ایک تسلسل کا نام ہے انسان ہمیشہ آگے کی طرف ترقی کرتا ہے تاکہ وہ اس ازلی ابدی حقیقت (خدا) سے جو کہ ہر لحظہ ایک نئی شان میں ہوتی ہے۔ ہر دم تازہ تازہ نور حاصل کر سکے! اور اس روشنی کا حاصل کنندہ فقط ایک جامد اور غیر متحرک حاصل کنندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک آزاد انا کا ہر عمل ایک نئی صورت حال پیدا کرتا ہے اور اس طرح تخلیقی پہلوؤں کے اظہار کے مزید مواقع مہیا کرتا ہے۔"

میں باور کرتا ہوں کہ اقبال کو مندرجہ بالا عبارت میں صحیح طور پر نقل کیا گیا ہے۔ یہ بعینہ وہ خیالات ہیں جو کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے جنت اور جہنم کے تصور کی تعبیر کے طور پر پیش کئے ہیں اور حضرت مولانا محمد علی کی تصنیفات میں بھی یہی کچھ بیان کیا گیا ہے یہاں جو خیالات پیش کئے گئے ہیں خصوصاً جہنم کا عارضی اور اصلاحی نوعیت کا ادارہ ہونا اور جنت کی لامتناہی ترقیات کا سلسلہ نیز جو آیات بطور حوالہ پیش کی گئی ہیں ان سب پر احمدیہ لٹریچر کی صاف اور واضح چھاپ دکھائی پڑتی ہے! حتیٰ کہ اقبال نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بھی غیر معمولی طور پر ان الفاظ کے مشابہ ہیں جو ہمیں احمدی کتب میں ملتے ہیں۔ یہ تصورات واقعتاً احمدی خیالات اور مسلم علما کے خیالات کے ایک واضح فرق کو ظاہر کرتے ہیں اس ناقابل تردید حقیقت کا جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے مذہبی خیالات پر احمدیہ تحریک کا گہرا اثر تھا"۔

(ماخوذ از "لائٹ" نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۵ء امریکہ
ترجمہ از کیپٹن عبدالسلام خان)

ٹرینیڈاڈ ریڈیو پر عید الفطر کا پیغام

اسلامی اخوت کی عظمت

از محترم کلام آزاد محمد

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے قرآن کریم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمارا خالق "اللہ" ایک ہے ہم سب بحیثیت انسان ایک ہیں اور ایک خاندان کی مانند ہیں ظاہری اختلافات محض رنگ، قومیت اور قبیلہ کی بنا پر ہیں۔

بے شک تمام ارکان اسلام بشمول "روزہ" کا بنیادی مقصد علمی اور عملی طور پر عام انسانوں کو ایک خدا کے سائے کے نیچے متحد کرنا ہے۔

اسلام کا بنیادی ستون نظریہ وحدانیت ہے۔ اخوت کے متعلق اسلامی تعلیمات ہر انسان کے دل و دماغ پر اثر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزے کو ایک ایسا ذریعہ بیان کیا ہے جو روز مرہ زندگی میں نظریاتی تصور کو حقیقی اور عملی شکل دینے کے لئے روحانی تربیت مہیا کرتا ہے۔

سب سے پہلے قرآن کریم سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ملک میں نبی بھیجے گئے اور جن کو یہ پیغام دیا گیا۔

"اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو اور یہ کہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو۔ پھر انہوں نے اپنے دین کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہیں"۔(۵۱-۵۳ : ۲۳)

انسانوں کے اس بکھرنے کے نتیجے میں مختلف گروہ وجود میں آئے۔ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کل عالم کے لئے رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ تمام انسانوں کو ایک اللہ کے جھنڈے تلے اکٹھا کریں۔

قرآن مجید کی ذیل کی آیت میں اتحاد کا درس مذکور ہے ہر مسلمان مرد و زن کا فرض ہے کہ وہ اس کو قائم کرنے کے لیئے حتی الوسع کوشش کرے۔ قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ "سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں" (۲ : ۲۱۳)

"اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے" (۴۹ : ۱۳)

اسی وجہ سے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

"اور سب کے سب اللہ کی رسی (عہد) کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" (۳ : ۱۰۳)

حدیث میں تمام انسانوں کے لئے اخوت، اتحاد اور محبت کے تمام پہلوؤں کے متعلق تعلیمات، نصائح اور احکامات کثرت سے موجود ہیں۔ میں رسول اکرمؐ کی چند احادیث بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے رسول اکرمؐ نے بین الاقوامی اخوت کے بارے میں یہ نصیحت فرمائی:-

"پوری انسانیت ایک خاندان کی طرح ہے جس کا ہر فرد دوسرے پر نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے" (بخاری)۔

"اے خدا، میری زندگی اور کائنات میں ہر چیز کے رب، میں تصدیق کرتا ہوں کہ تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

(احمد۔ ابوداؤد)

"اللہ کی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے وہ شخص اللہ کو سب سے زیادہ عزیز ہے جو اس کی مخلوق کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے" (بیہقی)

"اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرو اور اس کے کنبے سے محبت رکھو"۔ (بیہقی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتحاد کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "تم سب مومن پیار اور رحم دلی سے ایک جسم کی مانند مستحکم اور اکٹھے ہو جاؤ۔ جس طرح اگر جسم کا ایک حصہ بھی تکلیف میں مبتلا ہو تو پورا جسم اس کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔"

اگر ہم سب جو اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اپنے رب سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر ہم کس طرح ثابت کریں کہ ہم اپنے اس دعویٰ میں مخلص ہیں؟

رسول اکرم صلعم نے اس سلسلہ میں فرمایا :

"وہ شخص جو کسی اور سے صرف خدا کے لئے محبت کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ سے محبت کا اظہار کرتا ہے" (احمد)

"اگر تم خدا سے اس کی رحمت کے طلبگار ہو تو مخلوق خدا کے ساتھ رحم دلی سے پیش آؤ۔"

(کنوز الحقائق)

"زمین پر رہنے والوں سے اچھا سلوک کرو خدا تم سے اچھا سلوک کرے گا" (بخاری)۔

"وہ (شخص) جو صرف اللہ کے لئے دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے دراصل اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کی تعریف کرتا ہے۔"

یہ اعلیٰ اخلاقی رویہ آسانی سے پیدا نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے شدید خواہش اور خلوص دل کی ضرورت ہے اس کو خاندان اور پھر پورے معاشرے کی سطح پر ترویج کرنے کی ضرورت ہے۔ جماعت دراصل عالم انسانیت کی مختصر شکل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو اصول ہمیں بین الاقوامی سطح پر ایک عمدہ اسلامی زندگی بسر کرنے کے لئے چاہیئے۔ وہی اصول ایک متحد، باہمی یگانگت اور خوف خدا رکھنے والی جماعت بنانے کے لئے درکار ہیں۔ ایک ایسی جماعت جو ایسے مختلف النوع افراد کا مجموعہ نہ ہو جس میں ہر شخص اپنا علیحدہ پروگرام رکھتا ہو۔ بلکہ ایسی (جماعت) جو برداشت، سمجھ بوجھ، صبر، استقامت، شائستگی، رحم دلی، ہمدردی، رواداری، حساسیت اور مصفا خصوصیات کی حامل ہو۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ مجدد صد چہاردہم جن کا انداز قابل فہم، صاف شفاف اور دل پر اثر کرنے والا ہے۔ انہوں نے ہمیں جماعت کی کامیاب زندگی کے لئے ایسی خصوصی حکمت عملی بتاتی ہے جو کہ مسلم و غیر مسلم سب کے لئے سود مند ہے۔

آپ اپنی کتاب "کشتی نوح" میں نصیحت فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اپنی زندگی میں اللہ کی ذات کو حاوی کریں اور پھر اس کی رضا کی خاطر اس کی مخلوق سے مہربانی اور شفقت کریں۔

آپ فرماتے ہیں :

"ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لیئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ۔۔۔۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔۔۔۔۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔" (کشتی نوح ۱۲ ـ ۱۱)

آپ نے اپنے ملفوظات جلد ہفتم میں بتایا ہے کہ کس طرح ایسی بصیرت بیدار کی جائے جو ہمارے اندر دوسروں کے لئے احساس، برداشت، سمجھ بوجھ اور شفقت اور پاکیزہ عادات پیدا ہو جائیں اور ہم اپنے اندر خدا کی صفات پیدا کر سکیں جو خود غرضی، گنوار پن، معاشرتی و روحانی خرابیوں کو دور کر دیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا۔

" حقیقت یہ ہے کہ جماعت میں موجود ہر شخص ترقی کی اعلیٰ سطح پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایمان لانے والوں کے مختلف مدارج کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ " سو کوئی ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔"

۲۔ میانہ رو ہے۔

۔ اور کوئی ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ یہی بڑا فضل ہے۔ (۳۲ : ۳۵)

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے خود آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ ایمان و عمل میں ترقی کی تھی۔ یہ ایک تاریخی شہادت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ پہنچے تو انہوںؐ نے ایک صحابیؓ سے مسجد بنانے کے لئے زمین کا ٹکڑا مانگا جس پر صحابیؓ نے معذرت کرتے ہوئے کہا " میں اسے اپنے استعمال میں لانا چاہتا ہوں"۔

یہ کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے ساتھی سے مسجد بنانے کے لئے زمین کا ٹکڑا طلب کر رہے ہیں اور وہ ساتھی اپنے ذاتی مفاد کو مذہب پر ترجیح دے رہا ہے۔ لیکن بعد ازاں یہی صحابیؓ اپنی مرضی سے خدا کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔ ترقی ہمیشہ آہستہ اور درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک سال میں جو کچھ کام کرتا ہے وہ اگلے سال اس میں اضافہ کرتا ہے لیکن اگر ہمارے دلوں میں کسی بھی قسم کے شیطانی وسوسے اور کمزوری ہے تو ہمیں اس کی اس مریض کی طرح نگرانی کرنی ہو گی جو ہر قسم کی بیماریوں سے گھرا ہوا ہے۔ اگر ہم نے اسے ایک دو دن دوائی دے کر چھوڑ دینا ہے تو پھر ایک مرحلہ پر کوئی علاج کارگر نہ ہو گا۔

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دن رات عاجزی و انکساری سے ہاتھ پھیلا کر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دعا کریں۔ کہ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنے فضل سے دور فرمائے اور ہم خدا کے رحم اور کرم کے سائے تلے آجائیں۔

ہمیں اپنے رسول حضرت محمدؐ کا یہ قول کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک مرتبہ آنحضور صلعم نے فرمایا "کیا تم جانتے ہو نماز، روزہ اور خیرات سے زیادہ بہترین عمل کیا ہے؟"

پھر فرمایا:

" لوگوں کے ساتھ صلح اور اچھے تعلقات رکھنا زیادہ بہترین ہے کیونکہ لڑائی جھگڑا اور برے خیالات انسانیت کو تباہ کر دیتے ہیں"۔

(انگریزی سے ترجمہ، آنسہ سمیرہ اشرف، لاہور)

خطبہ عید الفطر

رمضان کا روحانی مجاہدہ اور عظمت کردار

ناصر احمد، بی اے، ایل ایل بی

عید الفطر مسلمانوں کے لئے ایک انتہائی خوشی اور مسرت کا تہوار ہے جس میں خوشی کے اظہار کے لئے نئے کپڑے، طرح طرح کے پکوان، دعوت و مدارات، میل ملاقات اور ہر وہ طریق اختیار کیا جاتا ہے جو خوشیوں کو دوبالا کر دے۔ لیکن جس طرح اسلام نے زندگی کے مختلف شعبوں میں فرائض اور حقوق سے متعلق واضح ہدایات دی ہیں تاکہ ایک مسلمان کی سوچ اور عمل میں توازن، حسن، اعلیٰ کردار اور انسانی عظمت پیدا ہو۔ اسی طرح اسلام کے تہوار میں اس کے ماننے والوں کے اندر کردار کی بلندی اور انسانی رشتوں کے تقدس اور احترام کے جذبوں اور اس کے لئے شفقت کو ترقی دینے کا کوئی نہ کوئی سبق اور تربیت کا پہلو پنہاں ضرور ہوتا ہے۔ عید الفطر بھی پورے ایک ماہ کی تربیت کا ایسا ہی پروگرام ہے جس میں انسان نفس کی پاکیزگی کو ترقی دیتا اور خود غرضی کی جگہ بے غرضی اور دوسروں کے لئے ہمدردی کے جذبات کو نشوونما دیتا ہے۔ ذرا غور کرنے پر آپ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں گے کہ نفس پرستی یعنی اپنی سفلی خواہشات کی تسکین اور دوسروں کے حقوق اور اموال کو ناجائز طریق پر چھیننا ہی وہ خرابیاں ہیں جس نے معاشرے میں خطرناک بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ روزہ انسان کو انہی دو خرابیوں سے پاک کرنے کے لئے ایک ماہ کی روحانی تربیت ہے جس میں ایک مسلمان کی سوچ اور عمل کو ایک خاص انداز میں تربیت دی جاتی ہے۔ اس پورے مہینے میں ایک مسلمان خاص اوقات میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے پرہیز کرتا، نمازوں کی پابندی کرتا، صدقہ و خیرات کرتا، تلاوت قرآن مجید کرتا، تہجد اور تراویح کی صورت میں نوافل کی ادائیگی کا بطور خاص اہتمام کرتا۔ ان تمام طریقوں سے ایک مسلمان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس میں سے نفس پرستی اور خود غرضی ختم ہو جائے اور اس کا ہر قدم بھلائی اور خیر خواہی کی غرض سے اٹھے۔ وہ حلال چیزوں سے ایک خاص اوقات میں اس لئے پرہیز کرتا ہے کہ اس میں نفس پر قابو پانے کی قوت پیدا ہو اور اس کے اندر ان لوگوں کے لئے درد اور احساس پیدا ہو جن کو یہ چیزیں یا تو بالکل میسر نہیں یا اگر ہیں بھی تو بالکل ناکافی صورت میں۔

یہ ہماری زندگی کا تجربہ ہے کہ جب تک ہم خود کسی کیفیت سے نہ گزریں ہمیں اس کیفیت کی شدت کا صحیح احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے روزہ میں صبح سے شام تک بھوک اور پیاس کی شدت کا احساس انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کو بیدار کرتا ہے اور اس طرح انسان میں اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو کسی اور طریق سے ممکن نہیں۔ فدیہ مساکین اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ ماہ رمضان کے دوران اور پھر اس کے اختتام پر عید کے موقع پر فطرانے کی ادائیگی نے عید الفطر کے تہوار کو دیگر مذہبی اور دنیاوی تہواروں میں ایک خاص امتیاز بخشا ہے۔

خواتین و حضرات! ماہ رمضان خداوند تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے نعمت عظمیٰ ہے جس کے روحانی، اخلاقی اور سماجی فوائد کو ایک مختصر خطبہ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس وقت میں صرف چند کا ذکر کرتا ہوں۔ روزے کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسانی سوچ و فکر میں اس حقیقت کو یقین کی

حد تک بٹھایا جائے کہ خدا تعالیٰ نہ صرف اس کا خالق ہے بلکہ اس کی ہدایت کا سرچشمہ بھی ہے۔ اس لئے اس مہینہ میں انفرادی اور اجتماعی طور پر قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کی جاتی ہے تاکہ خدا کی یہ آخری ہدایت ہر لحہ کانوں کے ذریعہ انسانی ذہن کو روشن کرتی رہے اور اس کے اعمال میں نکھار پیدا ہو۔ ویسے تو پنجگانہ نمازوں میں قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ پڑھا ہی جاتا ہے لیکن ماہ رمضان میں جس عقیدت اور اہتمام سے ہر مسلمان پورے قرآن مجید کو پڑھتا اور اس کے مطالب و مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، کسی بھی مذہب کی مقدس کتاب کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ عیدالفطر دنیا میں وہ واحد تہوار ہے جو ایک پورے ماہ کی روحانی اور جسمانی تربیت کے اختتام پر خدا کے حضور سجدہ شکر بجالانے کی غرض سے منایا جاتا ہے۔ اس ماہ میں ہر مسلمان مرد، عورت اور بچہ خدا کے احکام کو بجالانے کی خاص کوشش کرتا اور انسانی ہمدردی کے اظہار کے لئے خوش خلقی، حسن سلوک، صدقہ و خیرات اور باہم ہمدردی اور خیر خواہی کے اظہار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تہوار کے نام عیدالفطر ہی سے اس کے پیغام کی نشاندہی ہوتی ہے، یعنی فطرانہ ادا کرنے والی عید۔ دوسرے لفظوں میں اس خوشی اور مسرت کو منانے کے لئے لازم ہے کہ خدا کی عبادت سے پہلے آپ کو اپنے کم استطاعت رکھنے والے بھائی بہنوں کے لئے ایک مخصوص رقم صرف اپنی طرف سے ہی نہیں بلکہ فیملی کے تمام افراد کی طرف سے ادا کرنا ہوتی ہے۔ انسانی ہمدردی اور دوسروں کو خوشیوں میں شریک کرنے کا یہ انتہائی پیارا انداز عیدالفطر کے تصور کا لازمی حصہ ہے۔ ماہ رمضان میں روزے اور عبادات کا بنیادی مقصد جہاں خدا سے تعلق جوڑنا ہے وہاں مخلوق سے ہمدردی کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے اتنا جوڑ دیا گیا ہے کہ اگر عبادت کے نتیجہ میں انسان کے اندر احترام اور شفقت کے جذبات نہ پیدا ہوں تو ایسے عبادت گذار کو خدا نے تباہی کی وعید سنائی ہے۔ سورۃ الماعون میں فرمایا:- "ایسے نمازیوں پر تباہی ہو جو نماز سے غافل ہیں (آیت ۴، ۵)"۔ قرآن مجید میں اس اہم مقصد کو ایک اور انداز میں سورہ مومنون میں یوں بیان کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔

(آیت ۶۰، ۶۱)

یعنی اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دے سکتے ہیں اور ان کے دل خدا کے خوف سے بھرے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور اس میں وہ ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں ان کے دلوں میں خدا کا خوف ان کو صدقہ و خیرات کے لئے تحریک کو تیز تر کر دیتا ہے۔

ماہ رمضان جہاں نزول قرآن کی سالگرہ ہے وہاں ہمیں اس اہم بات کو بھی ذہن نشین کروانا چاہتا ہے کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے روحانی مجاہدہ ضروری ہے جو خدا کے قرب کے ساتھ اعلیٰ اخلاق و کردار کو پیدا کرتا ہے۔ خود محبوب خدا صلعم نے غار حرا میں سالہا سال آہ و زاری اور عبادت گذاری کی اور خلق خدا سے ہمدردی، حسن سلوک کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا کہ اپنے اور بیگانے سب نے ان کو الامین کا لقب دیا۔ ماہ رمضان کے روزے ہم میں اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار اور خدا کی مخلوق سے خدمت کے ایک ایسے ہی اعلیٰ معیار کو چاہتا ہے جو دین اسلام کو صحیح معنوں میں امن اور سلامتی کا مذہب ثابت کرے۔

روز مرہ کی زندگی کے معاملات میں خدا خوفی کے اس رویے کو پیدا کرنا ہی روزے کا مقصد ہے۔ اس حالت میں انسان معاملات زندگی میں حقوق و فرائض کی ادائیگی میں قانون کے خوف یا ظاہرداری سے بالاتر ہو کر محض خدا کی فرمانبرداری اور اس کی خوشنودی کی خاطر نیکی اور ہمدردی کے کام کرتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

روزہ دار میری خاطر روزہ رکھتا ہے اور میں ہی اس کو اس کا اجر دوں گا۔ خدا تعالیٰ کا روزہ کے متعلق یہ طرز خطاب ہی اس کو عبادات میں ایک خاص اہمیت دیتا ہے۔ ورنہ تو نیک عمل کا اجر خدا ہی دیتا ہے لیکن اس بارے میں خاص طور پر خدا کا یہ کہنا کہ میں خود اس کا اجر دوں گا یہ خدا سے تعلق، فرمانبرداری اور مخلوق سے شفقت کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ خدا سے دعا کرنی چاہیئے کہ خدا ہمیں نیکی کے اس اعلیٰ مقام کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہ رمضان کے حوالے سے جس اہم بات کی طرف میں آپ سب کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں روزوں کے ذریعہ ہم اپنے نفس کی پاکیزگی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے توبہ و استغفار کرتے ہیں وہاں ہمیں خدا سے اس امر کی دعا بھی کرنی چاہیئے کہ خدا ہمیں آئندہ برے اعمال سے بچاتے رکھے اور نیکی کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے کیونکہ کامیاب زندگی کے حصول کا یہی بہترین طریق ہے۔ خود خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ اِنَّ الحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱ : ۱۱۴) کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ جس طرح روشنی اندھیرے کو اور علم جہالت کو ختم کر دیتا ہے بالکل اسی طرح جب تک انسان نیکی میں ترقی نہیں کرے گا اس کو برائی کی طرف مائل ہونے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہے گا۔ ماہ رمضان کے روزے نیکی میں ترقی کرنے اور اس پر استقامت اختیار کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ نیکی کا یہی رویہ معاشرے میں حسن سلوک، خوش خلقی، رواداری، محبت اور شفقت کو رواج دیتا ہے۔

ماہ رمضان کے حوالے سے خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کا طریق خدا نے محبوب خدا صلعم کے ذریعہ حدیث قدسی میں یوں بیان فرمایا ہے۔ حدیث قدسی وہ بات ہے جو خدا تعالیٰ آنحضرت صلعم سے بیان فرمائے۔ یہ حدیث مسلم میں درج ہے۔ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کہے گا اے فلاں میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی۔ خدا کا بندہ کہے گا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کر سکتا تھا۔ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ خدا کہے گا اے فلاں میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے اسے نہ کھلایا اور اگر تو اسے کھلاتا تو تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا۔"

یہ لمبی حدیث ہے میں نے اس کا کچھ حصہ آپ کو سنایا ہے۔ اس میں خود خدا نے انسانی ہمدردی اور شفقت کو اپنی رضا اور قرب کا ذریعہ بتایا ہے۔

روزہ کے سلسلہ میں ایک اور بات قابل غور ہے۔ جب ایک شخص بیمار ہو یا روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو قرآن مجید میں خدا کا حکم موجود ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ اب ایک طرف تو خدا بندہ کی بیماری اور ناطاقتی کی بناء پر اس کو روزے سے مستثنیٰ قرار دے رہا ہے لیکن اس رعایت کے باوجود مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ یہاں خدا تعالیٰ نے انسانی ہمدردی کے پہلو کو اس حکم کے ذریعہ خاص اہمیت دی ہے تاکہ بندہ روزے کے اصل مقصد کو کسی حالت میں نہ بھولنے پائے۔

اس لئے میرے معزز بھائیو اور محترم بہنو خدا تعالیٰ روزہ کے ذریعہ جو اخلاقی اور سماجی بھلائیاں کرنے کی ترغیب ہماری سوچ اور عمل میں پیدا کرنا چاہتا ہے وہ ہماری بھلائی کے لئے ضروری ہے تا کہ ہم میں خود غرضی کی جگہ بے غرضی اور خلوص پیدا ہو، لالچ کی جگہ دوسرے کے لئے خرچ کرنے اور بھلائی کا جذبہ ترقی کرے۔ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم روزوں کے مقاصد کو سال کے باقی دنوں میں پورا کرنے والے ہوں اور اس طرح خدا کے رحم، بخشش اور فضل کو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے سمیٹ سکیں۔

تبصرہ

قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت (۸)

ختم نبوت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ۔۲

بشارت احمد بقا

اب اس حقیقت سے کوئی عالم دین کوئی مفسر قرآن اور کوئی فقیہ انکار نہیں کر سکتا کہ حقیقی نبی خواہ وہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی صرف وہی ہو سکتا ہے جس پر وحی نبوت حضرت جبریل خدا تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہوں۔

ڈاکٹر غازی صاحب اپنی زیر نظر کتاب کے صفحہ ۹۲ پر فرماتے ہیں۔

"علم دین کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ بنی اسرائیلی انبیاء میں ان انبیاء کی بہت کثرت ہے جو کوئی نیا قانون اپنے متبعین کے لئے نہ لائے بلکہ اس کی بجائے انہوں نے شریعت توریت کی متابعت جاری رکھی اس کے باوجود وہ نبوت کے اصل معنی کی رو سے نبی تھے کوئی ہوشمند شخص نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجازی طور پر نبی تھے۔"

غازی صاحب نے بڑا احسان کیا ہوتا اگر انہوں نے نبوت کے اصل معنی بھی بیان فرما دیئے ہوتے۔ وہ دانستہ طور پر اس نقطہ کو پیچیدا رکھنا پسند کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ شریعت اسلامیہ کی رو سے نبوت کے اصل معنی خود بیان فرما دیں تو پھر ان کے پاس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو جھوٹا ٹھرانے کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ لیکن ہمارا منتہیٰ اور مقصود حضرت ممدوح کی پوزیشن کو مخالفین کے اعتراضات سے صاف کرنا ہے۔ اس لئے ہم نبوت کے اصل معنی ان کے گوش گذار کر دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بنی اسرائیل کے ایسے تمام انبیاء جو کوئی نیا قانون نہ لائے بلکہ توریت کی متابعت جاری رکھی اس لئے حقیقی نبی تھے کہ وہ سب کے سب بغیر کسی صاحب شریعت نبی کی پیروی کے براہ راست وحی نبوت پا کر نبی ہوتے اور وہ سب کے سب حسب ارشاد قرآن شریف وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ کی ذیل میں آتے تھے اور مستقل نبی تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے وحی نبوت کے ذریعے انہیں ہدایت فرمائی کہ شریعت توریت کی مطابقت جاری رکھو تو اس حکم خداوندی کی رو سے وہ خود صاحب توریت بن گئے۔ انہوں نے اپنی امت بنائی اور اس نے خدا تعالیٰ کی توحید کے ساتھ اپنی نبوت کا اقرار لیا۔ جس کسی نے ان کی نبوت سے انکار کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ یہ وہ رسول تھے کہ ان کے اور نیا قانون لانے والے انبیاء کے درمیان کوئی تفریق نہ رکھی گئی تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا واضح فرمان یہ ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ یہ انبیاء بھی دوسرے انبیاء کی طرح وحی نبوت کے ذریعے اپنی اپنی قوم کو تبشیر و انذار کرتے تھے۔ وہ اپنے اپنے وقت میں ہر ایک فرد قوم کے لئے مطاع تھے لیکن خود کسی نبی سابق کے مطیع نہ تھے۔ ایسے انبیاء کو واقعی کوئی ہوش مند شخص مجازی نبی نہیں کہہ سکتا۔ نہ ہمارے علماء ربانی نے انہیں مجازی نبی ٹھہرایا ہے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کامل حضرت مرزا صاحب نے انہیں مجازی نبی کہا ہے۔ بلکہ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے۔

"اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے۔ مگر ان کی نبوت موسیٰؑ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں حضرت موسیٰؑ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل

نہ تھا" (حقیقتہ الوحی ص ۷۹)۔

گویا نبی وہ ہوتا ہے جو براہ راست خدا تعالیٰ سے ہدایت پاتا ہے۔ کسی کی پیروی سے نہیں پاتا اور جو کسی کی پیروی سے ہدایت پاتا ہے وہ نبی ہرگز نہیں ہوتا۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ نبی کی امتیازی خصوصیات جو اسے ایک غیر نبی، مامور من اللہ اور عام ولی اللہ پر حاصل ہیں کا خلاصہ بھی بیان کریں گے تاکہ حقیقی نبوت کا مسئلہ روز روشن کی طرح قارئین پر واضح ہو جائے۔ لیکن چونکہ غازی صاحب نے انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر اپنی کتاب میں چھیڑا ہے۔ اس لئے ہم ان کی توجہ بنی اسرائیل کے ایسے انبیاء کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جو نہ کوئی شریعت لائے اور نہ براہ راست نبی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

"یاد رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث میں انبیاء کی کثیر تعداد کا ذکر ہے اس میں محدثین کی کثیر تعداد بھی شامل ہے۔"

(الخیر الکثیر اردو ترجمہ ص ۲۴۶)۔

حضرت شاہ صاحب نے جس حدیث نبویؐ کے حوالے سے یہ ارشاد فرمایا ہے اس میں پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ گویا بقول حضرت محدث دہلوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ امتوں میں پیدا ہونیوالے محدثین کی کثیر تعداد کو بھی انبیاء کی صف میں شمار فرمایا ہے۔ اب غازی صاحب اپنے علم دین کے زور پر بیان فرمائیں کہ آیا وہ محدثین واقعی نبوت کے اصل معنوں سے نبی تھے یا محض مجازی نبی تھے۔ علم دین کا ہر طالب علم خوب جانتا ہے کہ محدث اگرچہ ایک نبی کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔ تاہم اس کا تزکیہ نفس کسی نبی کی پیروی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نبوت ہدایت حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی ہدایت اور رہنمائی اور تکمیل تزکیہ نفس کا سرچشمہ اس کے اپنے نبی کی شریعت ہوتا ہے۔ البتہ نبی اور محدث میں امر مشترک یہ ہے کہ

"مرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل رکھا۔ اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ آیا ہے اور یہ نہیں آیا وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ بِالْاَنْبِيَاءِ"

(شہادت القرآن ص ۲۷ مصنفہ حضرت مرزا صاحب)

غازی صاحب فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی شخص اپنی خود ساختہ اصطلاح میں کسی کو مجازی نبی کہتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے انبیاء کے لئے باب نبوت بند ہو چکا ہے۔ ہمارے نبی صلعم نے اپنی مشہور حدیث میں فرمایا ہے کہ اسرائیلیوں کی سیاسی رہنمائی کے لیئے نبی آتے تھے جب ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا۔ لیکن بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تاہم خلفاء ضرور ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔" (زیر نظر کتاب ص ۹۳)

میرا سوال غازی صاحب سے یہ ہے کہ جن محدثین کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء میں شمار کیا ہے۔ کیا وہ فی الحقیقت نبی اور رسول تھے اور اگر نہیں تھے اور یقیناً نہیں تھے۔ تو انہیں لازماً مجازی نبی ہی قرار دینا پڑے گا یا کچھ اور؟ مجازی نبی کی اصطلاح حضرت مرزا صاحب کی خود ساختہ نہیں۔ بلکہ اسلامی لٹریچر میں یہ پہلے ہی موجود چلی آ رہی ہے۔ کیونکہ خدا نے امت محمدیہ کو محدثین کے پاک وجود سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ یہ انعام اس خیر امت میں وسیع تر پایا جاتا ہے اور یہ دولت پانے والے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ہیں۔

اس حدیث کی صداقت میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے اور ہمارا پختہ ایمان یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باب نبوت اور وحی نبوت تا قیامت مسدود ہو چکا ہے۔ غازی صاحب نے حدیث شریف کو تو درج کر دیا ہے مگر ایک لمحہ کے لیئے ان کے دل میں یہ احساس نہیں گذرا کہ جب ہمارے نبی رحمتؐ نے واشگاف الفاظ میں

اپنی امت کو فرما دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ تو پھر آپ نے جناب مسیح ابن مریم کو دو ہزار سال سے بجسد عنصری آلان کما کان کی حالت میں آسمان پر کیوں بٹھا رکھا ہے حالانکہ قرآن شریف اس کے دوبارہ دنیا میں آنے کی کوئی خبر نہیں دیتا۔ آپ نے حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیئے اس حدیث کا سہارا لیا ہے۔ حالانکہ وہ نہ اس نبوت کے دعویدار ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ سے پہلے انبیاء کو ملی تھی اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر وحی نبوت بواسطہ حضرت جبریل نازل ہوتی ہے۔ اس حدیث شریف نے زمین سے آسمان تک بلند ایک دیوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے خلاف کھڑی کر دی ہے اور یہ فرمودہ رسول صلعم ایسے تمام لوگوں کو جو حقیقی مسیح کی آمد ثانی کے قائل ہیں منکر ختم نبوت قرار دیتی ہے۔ جب تک مسلمان حقیقی مسیح ابن مریم کی آمد ثانی کے عقیدہ سے دست بردار نہیں ہوتے وہ بھی قادیانیوں کی طرح ختم نبوت کے منکر رہیں گے اور ان کا دعویٰ کہ وہ ختم نبوت کے زبردست قائل ہیں سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہو گا۔ غازی صاحب خود اور ان کے تمام ہم خیال علماء اور قادیانی علماء سب مل کر حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے نکال کر دکھائیں کہ کب اور کہاں حضرت ممدوح نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر پہلے انبیاء کی طرح وحی نبوت بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوتی ہے اور میری نبوت اور رسالت وہی معنے رکھتی ہے جو گزشتہ انبیاء اور مرسلین تھے۔ ہم بڑے وثوق اور اعتماد سے کہتے ہیں کہ مخالف علماء اور غالی گروہ کے علما زندگی بھر تگ و دو کرتے رہیں۔ وہ ہمارا یہ مطالبہ انشاء اللہ العزیز کبھی پورا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ کس جگہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور کس جگہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں سے اپنی نبوت اور رسالت کا اقرار لیا ہے۔ انشاء اللہ ہمارا یہ مطالبہ بھی بھاری بھر کم پتھر کی مانند ہو گا۔ جو کسی سے اٹھاتے نہ اٹھ سکے گا۔

حضرت مرزا صاحب نے کس نبوت کا دعویٰ کیا۔

ہم گذشتہ اوراق میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں میں خاتم الانبیاء مانتے تھے اور ان کے بعد کسی حقیقی نبی کی آمد کے قائل نہ تھے خواہ پرانا خواہ نیا۔ اور آپ صلعم کے بعد ہر مدعی نبوت کو بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اور مخالف علماء کے پیہم الزام کی کہ آپ مدعی نبوت و رسالت تھے پر زور الفاظ میں اور خانہ خدا مسجد میں کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر تردید کرتے رہے اور بار بار یقین دہانی کراتے رہے کہ میرا کوئی عقیدہ خلاف اسلام نہیں اور مسلمانوں کے ان تمام عقائد پر قائم ہوں جو خدا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق مسلم الثبوت ہیں مگر چونکہ ان نام نہاد علماء کو اپنی دوکانیں اجڑتی نظر آ رہی تھیں اور عوام میں اپنی شہرت اور مقبولیت کے چھن جانے کا انہیں سخت خطرہ دکھائی دے رہا تھا اسلیئے جادہ حق سے روگردانی میں اپنی چند روزہ زندگی کا فائدہ مقدم جانا اور عوام کو بھی ضلالت و گمراہی کے جال میں پھنسائے رکھا۔

علماء خوب جانتے تھے کہ جس نبوت اور رسالت کا دعویٰ حضرت مرزا صاحب کرتے ہیں اس سے ان کی مراد صرف محدثیت ہے اور علماء محدث اور مجدد کے منصب اور مقام سے بھی بخوبی آگاہ تھے انہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اگرچہ وحی نبوت کا دروازہ تا قیامت بند ہو چکا ہے تاہم خدا تعالیٰ کا اپنے برگزیدہ بندوں سے سلسلہ کلام بند نہیں ہوا اور وہ سلسلہ الہامات کو جاری و ساری مانتے تھے اس کا نہایت محکم ثبوت خود حضرت مرزا صاحب کی اولین شہرہ آفاق تصنیف "براہین احمدیہ" ہے جس میں آپ نے اپنے سینکڑوں الہامات درج فرما کر منکرین الہامات اور مکالمہ مخاطبہ الہیہ پر حجت تمام کی۔ اور علماء نے بھی ان الہامات کو اسلام کی حقانیت کی روشن و تاباں دلیل قرار دیا۔ دین اسلام کا ہر طالب علم بخوبی آگاہ ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزار ہا بزرگ امت محمدیہ میں گذرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ

سے شرف ہم کلامی حاصل تھا اور وہ بزرگ وجود باری تعالیٰ پر زندہ نشان تھے۔ انہیں بزرگوں میں ایک خاص گروہ محدثین کا تھا جنہیں خدا تعالیٰ نے خلعت مجددیت پہنائی اور تجدید دین کا اہم فریضہ ان کے سپرد فرمایا اور انہیں علماء امتی کانبیاء نبی اسرائیل کا مقام عطا فرمایا۔

تمام علماء خوب جانتے ہیں کہ قبل از ظہور اسلام اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء سے بھی کلام کیا۔ مثال کے طور پر حضرت ام موسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم صدیقہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف وحی کی گئی اور تمام محدثین جو بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور مرسلین میں شمار کئے گئے بھی انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی پاتے تھے۔ مگر فرق صرف یہ تھا کہ ان کی طرف وحی برنگ ولایت آتی تھی۔ اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ محدثین بھی مرسل کہلائے تو وہ بزرگ جو مشکوۃ نبوت محمدیہ سے فیضیاب ہو کر فنافی الرسول کے اعلیٰ اور ارفع مقام کو پہنچے اور خدا تعالیٰ ان سے بذریعہ وحی ولایت ہمکلام ہوا۔ وہ مرسل کہلانے کے کیوں حقدار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر امت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ مگر ہمارے علماء نبوت و رسالت کے تمام فیوض و برکات سے جو گذشتہ امتیوں کو حاصل ہوتی تھیں امت محمدیہ کو محروم رکھنے پر مصر ہیں۔

ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ جو وحی برنگ ولایت حضرت مرزا صاحب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس میں الفاظ نبی اور رسول کے بکثرت پائے جاتے ہیں اور انہی الہامات کی رعایت سے آپ نے اپنی تصنیفات میں متعدد مقامات پر اپنے لیئے نبی اور رسول کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور ایک سطحی نگاہ سے آپ کے کلام کو دیکھنے والا شخص آپ پر تضاد بیانی کا الزام عائد کر دیتا ہے اور یہی رویہ ہم ڈاکٹر ایم اے غازی کا دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا پختہ یقین یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جن معنی میں یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان سے غازی صاحب بخوبی آگاہ ہیں۔ مگر چونکہ وہ خدا کے مامور سے دانستہ پر خاش رکھتے ہیں۔ اسلیئے مخالفت برائے مخالفت سے عوام کو محض بدظن کرنے کے لیئے وہ نبی اور رسول کے الفاظ سے ہنگامہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات سب اہل اسلام پر روشن ہے کہ جب آیت خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضور صلعم نے اس سے یہی سمجھا کہ میرے اوپر نبوت و رسالت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوا تھا ختم ہو گیا ہے اور اب میرے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آ سکتا۔ یہی عقیدہ تمام سلف صالحین کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات کی رو سے یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باقی انبیاء کی طرح عمر طبعی پا کر اس عالم خاکی سے عالم جاودانی میں تو جا چکے ہیں اور یہاں تک فرما دیا تھا کہ انہوں نے (حضرت عیسیٰؑ نے) اس دنیا میں ایک سو بیس سال عمر پائی تھی لیکن اس کے باوجود نزول ابن مریم کی پیشگوئی اپنی امت کو سنائی اور جانے والے ابن مریم اور آنے والے ابن مریم کے دو بالکل الگ حلیے بھی بیان فرماتے جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دو الگ الگ وجود ہیں مگر چونکہ عیسائی مذہب سے حلقہ بگوش اسلام ہونیوالا طبقہ کثیر تعداد میں تھا اور وہ یہی انجیلی اعتقاد لے کر اسلام میں داخل ہوا۔ کہ جناب مسیح ناصری بذات خود اس دنیا میں نزول ثانی فرمائیں گے اس لیئے جمہور اہل اسلام میں بھی یہ عقیدہ مضبوط جڑ پکڑ گیا کہ حضرت ابن مریم بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے اور آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں ظہور فرما ہوں گے۔ انہیں یہ عقیدہ اختیار کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور غیر مبہم ارشادات کا بھی قطعاً خیال نہ رہا اور یہ عقیدہ برابر تیرہ صدیوں تک دنیائے اسلام میں جاری و ساری رہا۔ البتہ قرون اولیٰ میں صرف ایک فرقہ معتزلہ کا ضرور پیدا ہوا جس نے ابن مریم کے نزول ثانی کو آیت خاتم النبیین کے خلاف جانا اور اس کا صریحاً انکار کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے

ہیں۔ لہذا ان کے دوبارہ دنیا میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہاں ایک نکتہ کی یہ بات بتانی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب پر قرآنی آیات میں بھی الہامات ہوتے اور غیر قرآنی الفاظ میں بھی۔ قرآنی آیات میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود تھے مگر آیات قرآنی کے علاوہ جس قدر آپ کو الہامات ہوئے ان کے اندر نبی اور رسول کے الفاظ قطعاً نہیں پائے جاتے۔ یعنی ان میں آپ کو نبی اللہ یا رسول اللہ کر کے نہیں خطاب کیا گیا۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے بیعت لیتے وقت اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا اور شرائط بیعت میں اس اقرار کو کبھی شامل نہیں کیا البتہ اگر آپ پر وحی نبوت نازل ہوتی۔ تو پھر اپنی نبوت کا اقرار لازمی اور ناگزیر ہو جاتا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا شخص لازماً کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا۔ ڈاکٹر غازی صاحب بتائیں کہ حضرت مرزا صاحب نے کہاں لکھا ہے کہ جو شخص میری نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس مقصد میں انشاء اللہ العزیز ضرور ناکام رہیں گے اور اس کی جگہ وہ حضرت صاحب کی کتاب میں یہ واضح اعلان موجود پائیں گے۔

کہ ابتدا سے میرا مذہب یہی ہے کہ میرے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا"

(تریاق القلوب ص ۱۳۰، ۱۹۰۲ء)

یہ نکتہ یقیناً قابل غور ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ واقعتہ نبوت حقیقی کا ہوتا تو آپ اس کا اقرار اپنے مبائع سے بہر صورت لیتے اور اپنے نہ ماننے والے کو کافر قرار دیتے۔

اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کہ آپ کا اصل دعویٰ کیا ہے اور جہاں جہاں آپ کی تحریرات میں نبی اور رسول کے الفاظ آتے ہیں۔ ان کی آپ نے خود کیا تشریح فرمائی ہے۔ آپ کا اصل دعویٰ مجدد اور محدث ہونے کا ہے جس پر آپ کا یہ الہام شاہد ہے۔ انت محدث اللہ وفیک مادہ فاروقیہ۔ ترجمہ۔ تو اللہ کی طرف سے محدث ہے اور تیرے اندر فاروقی جوہر ہے۔ اس الہام کی تشریح آپ نے یوں فرمائی۔ "جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا۔ تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے" (کتاب البریہ ص ۱۸۳)۔ یہ بات ایک معمولی عقل کا مسلمان بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ دعویٰ مجددیت اور دعویٰ نبوت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ علماء اور عوام کے شبہات کے ازالہ کی خاطر آپ نے اعلان فرمایا کہ

"ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہؐ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء امت کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔۔۔ غرض جب کہ نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے" (مجموعہ اشتہارات صفحہ ۲۲۳)۔

اصولی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر کامل ایمان رکھتے اور باب وحی نبوت کو مسدود جانتے تھے اور صرف وحی ولایت کے جاری و ساری ہونے کے قائل تھے اور اسی وحی سے فیضیاب ہونے کے مدعی تھے۔ یہ مقدمہ طے ہو جانے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ آیا امت محمدیہ میں لفظ نبی اور رسول کا استعمال قطعی طور پر حرام ہو گیا ہے۔ یا کسی نہ کسی پیرایہ میں ان الفاظ کے استعمال کا جواز امت میں موجود ہے۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب پر جو قرآنی آیات بطور الہام نازل ہوئیں ان کے اندر الفاظ نبی اور رسول کے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر جو الہامات غیر قرآنی عربی زبان اور اردو زبان میں ہوئے ان کے اندر یہ الفاظ قطعاً موجود نہیں ہیں۔ تاہم آپ نے ان الفاظ کی تشریح اپنی تصنیفات اور تقاریر میں بار بار کی تاکہ عوام ان سے کوئی غلطی نہ کھائیں۔

اخبار کا تراشہ

88,000 جرمن شہریوں کا دفعہ 295-C کے خاتمے کا مطالبہ

"ڈاکٹر جان جوزف، بشپ آف فیصل آباد نے شیخوپورہ میونسپل ہال میں ۱۱ جنوری ۱۹۹۶ء کو منعقد ہونے والے ایک بہت بڑے اجتماع میں اس بات کا انکشاف کیا کہ ۸۸،۰۰۰ جرمن شہریوں نے پاکستان کے قانون تعزیرات سے 295-C کے خاتمہ کا مطالبہ کیا ہے۔ اس جلسے میں پاکستان کے چاروں صوبوں سے کرسچین سٹوڈنٹ ویلفیئر سوسائٹی کے نمائندوں کی بھاری تعداد نے شرکت کی۔ بہت سے مذہبی راہنماؤں کے علاوہ طارق سی قیصر ایم ای اے، مائیکل جاوید، ایم پی اے (سندھ) لالہ مہر لعل بھیل، ایم پی اے (پنجاب) اور رام نرائن پرکاش بھی اس موقع پر موجود تھے۔

ڈاکٹر جان جوزف نے کہا کہ پاکستان میں توہین رسالت کے قانون کی آڑ میں ظالمانہ قتلوں کی مسلسل وارداتوں نے تمام مہذب ممالک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسی لیے یہ ممالک تیار ہیں کہ 295-C کے خاتمے کے لئے عملی اقدام اٹھائیں۔

جرمن مسیحی امدادی انجمن میسو آخو نے ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کو صبح دس بجے جرمنی کے دارالخلافہ بون کی پریس کلب میں دستخط سپرد کرنے کی تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں مندرجہ ذیل اشخاص شریک تھے۔۔۔ میسیو کے صدر جناب دیتمار بادر اور ان کے معاونین، جرمنی کے معاون وزیر خارجہ، ہلموت شیفر، جرمن حکومت کے ڈائریکٹر برائے ایشیا۔ فیصل آباد، ڈائیوسیس کے بشپ ڈاکٹر جان جوزف اور جرمنی میں پاکستانی سفیر جناب اسد درانی اور ان کے معاونین۔

جرمنی کے معاون وزیر خارجہ نے دستخطوں کے موٹے موٹے دستے پاکستانی سفیر کے سپرد کیئے۔ پاکستان کے سفیر نے اپنا ایک تحریری بیان پڑھا اور کہا، اگر میں اپنی تقریر کا آغاز شکریہ کے الفاظ سے نہ کروں تو آپ سمجھ لیں کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ انہوں نے اس بات کو واضح کیا کہ وہ یہاں اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں آتے کہ 295-C کے خلاف دستخطوں کی اتنی بڑی مقدار وصول کریں۔۔۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسیحی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ ہمارے ملک میں اقلیتیں مذہب اور عبادت میں بالکل آزاد ہیں۔

جرمن زبان میں لکھی ہوئی تقریر پڑھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہر ملک میں کچھ قوانین اچھے ہوتے ہیں اور کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جو اتنے اچھے نہیں ہوتے مگر وقت اور تجربے کے ساتھ ساتھ ہر ملک اس میں اچھائی اور بہتری لانے کی کاوش ضرور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ جج اچھے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی جو اتنے اچھے نہیں ہوتے انہوں نے بوسنیا، چیچنیا اور کشمیر کی مثالیں دیں۔ آخر میں انہوں نے تنبیہہ کرنے کے لہجے میں کہا کہ مجھے آپ کو خبردار کرنا ہے کہ اگر آپ ایک برادری کی حمایت کرتے ہیں (یعنی اقلیتی برادری کی)، تو آپ کو دوسری برادری یعنی (اکثریتی برادری) کے ردعمل یعنی جوابی حملے کے لیئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔

ڈاکٹر جان جوزف بشپ آف فیصل آباد نے کہا کہ سفیر صاحب کے اس بناتے ہوتے جوابی حملے کا خوف انہیں خاموش نہیں کر سکتا، کیونکہ ۱۹۹۱ء سے توہین رسالت کے 295-C کی وجہ سے مذہب کے نام پر اتنے تشدد آمیز قتل ہوئے ہیں کہ کوئی بھی انسان جو باضمیر ہے، اس قتل و غارت کو دیکھ کر اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتا۔ ہمیں ان جوابی حملوں کی پرواہ کیے بغیر اس ظلم کو ختم کرنا ہے۔ یہ اس

لیئے ضروری ہے کیونکہ پورے پاکستانی معاشرے میں انتشار پھیلایا جارہا ہے، مختلف مذاہب اور فرقوں کے درمیان نفرت اور تعصب کا بیج بویا جارہا ہے، اس قانون سے نہ صرف مسیحی اور احمدی متاثر ہیں، بلکہ خود مسلمان بھی اس سے پریشان ہیں۔ کئی شرمناک اور افسوس ناک واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں، جہاں معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کو گستاخ رسول کا الزام لگا کر ان پر تشدد کیا گیا، یا پھر سنگسار کر دیا گیا، اور ان کے بدن پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔
کچھ ماہ پہلے ایک مسلمان کو پشاور کی ضلع کچہری کی حدود میں پولیس کی موجودگی میں سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے ایک احمدی کی مدد کی تھی، جس پر گستاخ رسول صلعم ہونے کا الزام تھا۔ یہ افسوس ناک واقعات نعمت احمر، طاہر اقبال، بنتو مسیح اور منظور مسیح کے قتل اور گل مسیح، سلامت مسیح، رحمت مسیح اور چاند برکت کے جلاوطن ہو جانے سے کم نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ خوفناک المیے مسلسل جاری ہیں۔
گذشتہ چھ ماہ کے دوران چک نمبر 10/4-L اوکاڑہ، گوجرہ کے قریب جلیانوالہ اور گوجرانوالہ میں کئی نو عمر مسیحی اس قانون کی زد میں آئے۔ "سب سے تازہ ترین واقعہ لاہور کا ہے، جو نومبر ۱۹۹۵ء میں ہوا، جہاں ایک مسجد میں ایک خط پھینکا گیا، جس میں اسلام کے خلاف کچھ تحریر تھا، دو ہفتوں کے اندر اندر پولیس نے ۵ مسیحی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا، جن میں سے ایک نوجوان ۱۳ نومبر کو جیل ہی میں موت کے منہ میں چلا گیا۔
ستمبر ۱۹۹۵ء میں سکھر میں جو واقعہ ایک مسیحی نو عمر بچی کے ساتھ ہوا، وہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا دھچکہ ہے۔ کیرل شکیل ۱۴ سالہ مسیحی بچی نے امتحانی پرچہ میں تحریر کیا، جو اس کی مسلم استانی کے نزدیک حضورؐ کی شان کے خلاف تھا۔ اس واقعہ کو مسجد کے لاؤڈ سپیکرز کی مدد سے گرد و نواح میں پھیلا دیا گیا اور ۲۵۰ مولوی حضرات نے دستخط کر کے یہ اعلان کر دیا کہ اس لڑکی کو قتل کر دیا جائے یا پھر اس کے بچاؤ کا ایک راستہ ہے کہ یہ مسلمان ہو جائے اور اسے مسلمان ہونا پڑا۔

بشپ جان جوزف نے یاد دلایا کہ گذشتہ سال پاکستان کے صدر جناب فاروق احمد لغاری نے اعلان کیا کہ آئندہ پولیس کے پاس یہ اختیار نہیں ہوں گے کہ وہ خود گستاخ رسول کے کسی بھی ملزم کو گرفتار کرے۔ مدعی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک رسائی کرے جو بعد میں ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد پولیس کو اختیار دے گا کہ وہ اس معاملہ میں دخل اندازی کر سکیں۔ مگر افسوس صد افسوس ۔۔۔۔ انتہا پسندوں کے دباؤ کی وجہ سے گورنمنٹ اس پر عمل نہیں کر سکی۔ جیسے حال ہی میں نومبر ۱۹۹۵ء میں لاہور پولیس نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اختیار حاصل کیئے بغیر مولوی حضرات کی خوشنودی کے لیئے ۵ مسیحیوں کو گرفتار کر لیا اور بعد میں ایک مسیحی نوجوان پولیس حراست میں وفات پا گیا۔
بشپ جان جوزف نے کہا کہ ہم پورے دل سے ملک معراج خالد (سابق اسپیکر قومی اسمبلی) سے متفق ہیں جنہوں نے حال ہی میں ایک قومی اخبار میں کہا ہے۔ " توہین رسالت قانون کی دفعہ 295-C مسیحیوں پر لٹکتی تلوار ہے۔ " ہمیں معاشرہ کو تعصب اور جبر سے آزاد کرانا ہو گا، خداوند کی قوت سے ایسا ہی ہو گا، آمین۔
(جہد حق، فروری ۱۹۹۶ ص ۱۹ کمشن برائے انسانی حقوق پاکستان لاہور)